

ریسوکیا۔
 ”ریحباب۔ تم نے کیا سوچ کر مجھ سے اتنی گھٹیا
 بات کی۔ بولو؟“ عمر کی سرد آواز اس نے سنی۔ اس کی
 آنکھیں پھر سے نیرہانے لگیں۔
 ”میں پچھلے چار گھنٹوں سے تمہیں مسلسل فون
 کر رہا ہوں تم فون ریسیو نہیں کر رہیں میرے مہسجن
 کا جواب بھی نہیں دے رہیں۔ تمہیں لگ رہا ہے میں
 تمہیں بخش دوں گا۔ تمہیں اس کا جواب ضرور دینا
 پڑے گا۔“ غصے اور پریشانی میں ڈوبی عمر کی آواز۔ اس
 نے اپنی سسکی روکی۔
 ”عمر۔ میں نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ بہت
 سوچ کر کہا ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں بہتر ہے تم بھی

ناؤلٹ



ازیت ہر تکلیف۔ جیسے ثانوی حیثیت اختیار کر چکی
 تھی۔
 اس کا موبائل پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل بج رہا
 تھا۔ وہ بے حس بیٹھی رہی۔ موبائل چیخ کر خاموش
 ہو جاتا اور پھر چند لمحوں بعد پھر سے بجنے لگتا۔ اب پھر
 موبائل بجنا شروع ہو چکا تھا۔ عمر کی مستقل مزاجی کی حد
 تھی۔

ریحباب نے اپنا بھاری ہوتا سر گھنٹوں سے اوپر
 اٹھایا۔ بے تحاشا رونے کے باعث آنکھوں میں شدید
 جلن ہو رہی تھی اکڑے وجود کے ساتھ وہ بیڈ تک
 آئی۔ اپنی جگہ سے اٹھنے اور بیڈ تک آنے کے لیے
 اسے بے حد جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جو
 بوڑھے سے چیخ اٹھا تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور فون

کمرے کا دروازہ بند تھا مگر مقفل نہیں تھا۔ کمرے
 کی ساری بتیاں بجھادی گئی تھیں۔ کھڑکیوں پر بھاری
 پردے گرے ہوئے تھے لیکن پھر بھی دروازے کی دھڑک
 سے ہلکی سی روشنی کی لکیریں کمرے میں وال ہو کر
 اس گہرے اندھیرے کو چیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 ریحباب فرش پر پچھلے کارپٹ پر سر گھنٹوں میں دیے
 اور دونوں بازو گھنٹوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ رو رو
 کر تھک چکی تھی مگر وہ تھا جو کسی صورت کم نہ ہوتا
 تھا۔ آنکھیں مسلسل گریہ وزاری سے سرخ ہو رہی
 تھیں اور پونے بے حد بھاری۔ کئی گھنٹوں سے ایک
 ہی زاویے سے بیٹھنے کی وجہ سے جسم اکڑ گیا تھا۔
 مگر اسے جسمانی تکلیف کی پرواہ ہی کب تھی۔ جو درد
 اسے قریبی رشتوں سے ملا تھا اس کے بعد سے تو ہر

عزیز ولی

پس گویا سیرگ



اس فیصلے کو قبول کر لو اور تمام کاغذی کارروائی کر کے مجھے طلاق نامہ بھیج دو۔ خدا حافظ۔“

ریحان نے یہ تمام جملے ادا کرتے وقت اپنی آواز کی لڑکھٹاہٹ کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس کی آواز لرزتی رہی۔ عمر نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی فون شیخ دیا تھا۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے اسکرین کو گھورتی رہی۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ صبح اچانک ہی ریحان کا فون آیا اور اس نے اپنی طرف سے سارے رشتے ختم کر ڈالے۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وجہ بتانے پر وہ راضی نہیں تھی۔ وہ مستقل اس کا نمبر ملا رہا تھا۔ اور جب اس نے فون اٹھایا بھی تو کیا کہا۔؟ اس کی آواز بے حد بھاری ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ روٹی رہی ہے اور بات کرنے کے دوران بھی وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ عمر کو اس بات کا احساس ہو اس لیے اس نے اپنے لہجے کو مزید گھور بنالیا ہے۔ مگر عمر کو کیسے معلوم نہ ہوتا۔؟ وہ تو اس کی سانسوں میں بستی تھی۔ وہ اس سے بے خبر کیسے ہو سکتا تھا؟ عمر کو اندازہ تھا کہ وہ خود پر جبر کر کے اس سے بات کر رہی ہے۔ اس لیے اس نے فون کاٹ دیا۔

عمر نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا موبائل اپنی نیلی جینز کی پاکٹ میں ڈالا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھالی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

ریحان کا وہ فضول سا فون آتے ہی اسے اس سے ملنے کے لیے جانا چاہیے تھا۔ یہ اتنے سارے گھٹے ضائع کرنے کے بجائے آئے سامنے ہو کر اس سے سیدھی بات کرنی چاہیے تھی۔ اسے بھروسہ تھا کہ اگر وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے اصل وجہ بتا دیتی اور

شاید اب تک معاملہ سلجھ بھی چکا ہوتا۔

وہ خود کو ملامت کرتا تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ نگاہ ضوفشاں بیگم پر پڑی۔ وہ نفیس سی ساڑھی پہنے

کبیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ سیڑھیاں اترتے عمر کو دیکھ کر وہ اس کے قریب آئیں۔

”شکر ہے کہ تم گھر پر ہو؟“ عمر نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ضوفشاں نے بے حد غور سے اس کے حلیے اور پریشان چہرے کو دیکھا۔ ان کی نگاہ عمر کی انگلیوں میں دبلی چابی پر بھی پھر وہ بڑے آرام سے گویا ہوئیں۔

”مجھے ضروری کام سے جانا ہے اور تمہارے پیالاب تک نہیں پہنچے۔ نجانے وہ کب آئیں گے۔ تم ہی مجھے ڈراپ کرو۔ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔“ عمر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا۔ ضوفشاں بیگم پھر سے بولیں۔

”بھابھ!“ تم بھی کہیں جا رہے ہو؟“ اس سادہ اور لا پرواہ حلیے میں وہ صرف اور صرف ریحان سے ملنے ہی جاسکتا ہے۔ یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم تھی اور انہیں تو یہ بھی معلوم تھا کہ ریحان نے اس سے شادی سے انکار کر دیا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس سے ملے۔ عمر کو روکنے پر تو وہ قادر نہیں تھیں لیکن اسے بچ تو کیا جاسکتا تھا سو وہ کر رہی تھیں۔ ذوالقرنین نے انہیں کہا تھا کہ وہ راستے میں ہیں اور پہنچنے والے ہیں مگر پھر بھی وہ عمر سے ڈراپ کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ عمر نے انہیں جواب دینے کے بجائے جیب سے موبائل نکالا اور نمبر ملایا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ اور تم مجھے جواب دینے کے بجائے فون کے ساتھ لگ گئے۔“ انہیں عمر کی یہی حرکتیں غصہ دلاتی تھیں کہ وہ انہیں اہمیت دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔

”پیالاب! آپ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں؟ ممی بڑی بے صبری سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“ وہ طنزیہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ عمر کی چالاکی پر وہ سلگ کر رہ گئیں۔

”او کے ٹھیک ہے خدا حافظ۔“ اس نے فون کاٹ کر موبائل پھر سے پاکٹ میں رکھا اور ان کی

طرف دیکھا۔

”پیالاب! کہہ رہے ہیں وہ پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے اور آپ تب تک اپنا میک اپ ٹھیک کر لیں۔ آپ کی ٹھوڑی پر لپ اسٹک لگ گئی ہے۔“ وہ آخری سیڑھی سے چلنے فرش پر قدم رکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولا۔ وہ جو اسے خوب سننے کا ارادہ رکھتی تھیں فوراً کمرے کی جانب بھاگیں۔ عمر کو ان کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ان کی ٹھوڑی پر لپ اسٹک نہیں لگی تھی لیکن وہ اس وقت ان کے سوال و جواب میں الجھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے ان کے جاتے ہی باہر کی جانب بڑھ گیا۔

روتے روتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے اس نے یک دم آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے اتنا حسیں خواب اس نے پھر سے آنکھیں موند لیں۔ ہڑبڑاتی تب جب اس کے ہاتھ پر عمر کے ہونٹ ثبت ہوئے تھے۔ وہ جھٹکا کھا کر اٹھی وہ سامنے بیٹھا اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بری طرح خائف ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر تکیے پر بڑا دوپٹا اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا۔ اس ساری کارروائی کے دوران وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ ریحان کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ عمر کا یوں بلا اجازت اس کے کمرے میں آنا اور استحقاق سے بیٹھنا ان سب نے اس کے غصے کو برہاد دیا۔

”تمہیں مجھے یہاں دیکھ کر ضرور حیرت ہو رہی ہوگی کہ انکل کی غیر موجودگی میں گھر کیسے آگیا، بلکہ سیدھا تمہارے کمرے میں ہی آگیا۔“ وہ ریحان کا سرخ چہرہ دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ وہ گردن موڑے بیٹھی رہی جیسے وہ یہ ساری گفتگو دیواروں سے کر رہا ہو۔

”مجھے تم نے یہاں بلایا ہے ریحان۔“ اس الزام پر ریحان نے شدید غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

”اگر مجھ سے ملنے کے لیے تمہارا دل اتنا ہی بے قرار تھا تو مجھ سے صاف صاف کہہ دیا ہوتا۔ میں آجاتا۔ اتنا بڑا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ بیڈ پر پھیل کر بولا۔ یوں کہ اس کا کندھا ریحان کے کندھے سے لگ گیا وہ پیچھے ہوئی مگر عمر نے اپنا بازو اس کے گرد حائل کر دیا۔ ریحان اچھبے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

وہ کل رات سے شدید اذیت برداشت کر رہی تھی۔ ہزار جتنوں کے بعد اس نے عمر سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ کتنی تکلیف اٹھادی تھی وہ یہ سن کر کہ... اور عمر۔ اسے یہ سب مذاق لگ رہا تھا۔ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ شدید غصے سے اس کی گویائی ہی سلب کر لی تھی۔ مگر آنکھوں کو بننے کا بہانا مل گیا تھا۔ عمر اسے روتا دیکھ کر گر بڑا گیا۔

”ریحان۔ کیوں رو رہی ہو؟“ وہ پریشان سا پوچھ رہا تھا۔ وہ اور شدت سے روتے لگی۔

”پلیز۔ خاموش ہو جاؤ اور بتاؤ آخر کیا ہوا ہے؟“ وہ اس کے ہاتھ اس کے چہرے پر سے زبردستی ہٹا کر بولا۔ ”آپ یہاں سے جائیں بس۔“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ عمر نے بے چارگی سے اسے دیکھا تو اسے دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ اگر اس کی آنکھوں میں دیکھ لیتی تو سارا غصہ بھول جاتی۔

”ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا، لیکن ایک شرط پر۔“ وہ جانتی تھی کہ اس کی شرط کیا ہے۔

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اتنا زیادہ کیوں رو رہی ہو؟“ وہ اس سے قطع تعلق کی وجہ دریافت نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس سے یوں بلک بلک کر رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ حالانکہ گھر سے نکلنے سے پہلے اور یہاں پہنچنے تک اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ وہ اس سے اس فضول بات کی وجہ پوچھ کر ہی ملے گا، مگر اسے روتا دیکھ کر اسے بس یہی پوچھنا یاد رہا تھا، عمر کی آنکھوں میں اپنے لیے بے تحاشا محبت دیکھ کر وہ نگاہ چرا گئی۔

"میں جو کچھ بھی ہوا اس میں کیا عرصہ وار ہے؟" وہ پھر سے سوچنے لگی۔ اس کا دل کچھ اور کمرہ تھا اور دل کچھ اور۔ اسے عرصہ کرنا تھا جو دل کے سمجھایا۔ دل کی تمام دلیلیں تمام ثبوت دل کے وہ کر دیے تھے۔

"میں آپ سے اپنا ہر تعلق ختم کر چکی ہوں۔ میرا اب آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے پھر میں ایک انجان شخص کو اپنے آئینوں کی وجہ کیوں بتاؤں؟" دل اور دل کے اس جنگ میں دل کی جیت کیا تھا۔ رعباب کے آئینوں کے تھے۔ اس کی توڑ میں لب شہید علی اور بے حد انہیت بھی تھی۔ مرقع حق سے دیکھتے تھے۔

"رعباب۔" اس ایک بکھر میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دکھ، حیرانی، تکلیف۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ عمر نے کہہ حوں سے تمام کراہی سست ہو جائے۔ "میرا اور تمہارا تعلق اتنا کمزور ہو کر نہیں کہ ایک جھٹکے سے ٹوٹ جائے" میں جانتا ہوں کہ ضرور کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہے اور اس نے تم پر بہت متلی اثرات مرتب کیے ہیں اور اسی کے ذریعہ تم پر سب کہہ رہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ ہی دن میں تمہارا کل ٹارنل ہو جاؤ گی۔ مجھے تم ساری حقیقت بتا دینا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے کہہ رہا تھا۔ رعباب نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹائے۔

"مجھے جو فیصلہ کرنا تھا وہ میں کر چکی ہوں۔ لب چاہے جتنا بھی دقت گزر جائے میں اس فیصلے کو تبدیل نہیں کرنے والی۔ مجھے ابھی طلاق چاہیے۔" اس نے سرد مری سے اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔ مرقع کا ہاتھ بے ساختہ انوار رعباب گل پر ہاتھ رکھے پٹٹی پٹٹی آنکھوں سے اس دیکھنے لگی۔

"آج کے بعد اگر تمہاری زبان پر لفظی سے بھی طلاق کا لفظ آیا تو میں تمہاری زبان سے کچھ لوں گا اور میں دیکھتا ہوں کہ کیسے تم مجھ سے رشتہ توڑتی ہو۔ ساری دنیا سے لو کر تمہیں میں نے اپنے نام نکھوایا ہے سبز رعباب عمر اپنی آسانی سے میں تمہیں اپنی دنیا

اجازتے نہیں دے سکتا۔ تم پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔ جیتے جی بھی اور مرے کے بعد بھی۔ یہ بات اپنے اس بچکانہ ذہن میں بٹھالو تو بہتر ہے۔" مرقع نے انتہائی سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی اور اسے پیچھے ڈکڑوں سے چلا گیا تھا۔ رعباب سارے کمرے کی طرف رہ گئی۔

مرقاہ جابجا روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ آج تک وہ اس سے نرمی سے پیش آتا رہا تھا۔ کسی کمرے ساہ دار درشت، جیسا تھا وہ۔ دونوں کا دلچسپ ہوا تو وہ بھی بہت تہمت اس کی محبت میں مبتلا ہوئے تھے۔

مرقاہ سے دور ہونے کا فیصلہ ٹوڑے پہلے ہی کر چکی تھی مگر اس فن کل کے بعد تو جیسے اس نے خود یہ فرض کر لیا تھا کہ سب پر سمورت مرے دور رہتا ہے۔ ایک موبیل اس کا چہرہ سا توڑا تھا۔ دیا کے سارے موبیل سے اس کا ہاتھ کچھ کچھ تھا۔

مرقاہ نے حد شرمندہ تھا کہ اس نے رعباب پر ہاتھ کیوں اٹھایا۔ وہ خود کو ماست کر رہا تھا۔ ساری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سویایا۔ رعباب کا دل اس چہرے بے چین نگاہوں سے خود سے بھی گھل گیا تھا۔ چھپاتے چھپکاتے لب ساری رات نگاہوں میں گھومتے رہے۔ مرقع کو پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ کانٹوں کی رات گزارنا کیا ہوتا ہے۔

آخر ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ اس حد تک جانے کا سوچ رہی تھی؟ اگر اسے مجھ سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ ہمارے کم ایک بار تو مجھ سے کہتی، لیکن اس سب کے چھپے کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے۔ میں ضرور شک میں نہ تھی۔ میں رعباب میرے لور ان کے تعلقات کے بارے میں ابھی طرح جانتی ہے۔ ان کے کسی جھوٹ پر وہ یقین کر ہی نہیں سکتی پھر۔ وہ وجہ اگر میری فیملی سے نہیں تو کیا خیر انکے یا منسل سے متعلق ہو۔ لیکن انہی ایسا ہے بھی تو اس سب میں میری کیا لگائی؟ وہ یہ دیکھ

یہ اسی طرح انداز سے لگا تا اور رو کر تارہا۔ سچ ہوتے ہی اس نے ارادہ کیا کہ آج پھر جائے گا اپنے دوسرے کی۔ جانی مانگ کر اس سے حقیقت کھانے کی کو پیش کرے گا۔ بغیر کپڑے تبدیل کیے صرف چہرے پر فیصلے پانی کے چھینے پر اس نے اپنا سرخ آنکھوں کی جلن کم کرنے کی کو پیش کی اور پھر کل آیا۔

صبح سات بجے کا وقت تھا کہ مرقع کے لوگوں کی صبح بہت دور سے ہوا کرتی تھی اور آج تو یہ بھی اتوار تھا۔ وہ اپنے کے بعد ہی کسی کا چہرہ دیکھنے کو مانتا مگر جب وہ لائن میں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ ضرور فائل بیگم لائن میں رک رک کر پائی تھیں۔ اس کا حلق تنک کر ڈا ہو گیا۔ وہ جلدی سے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ ان کی نگاہ اس پر نہ پڑے۔ ان کے پکارنے پر بیزار سا ہو کر پلٹا۔

صبح آٹھ بجے کی حالت بنا کر کھانا جارہے ہوئے انہوں نے اپنی سے اس کے حلقے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔" وہ ہچاتے ہوئے بھی پتہ چلا۔

"تمہارا ایسا کون سا دوست ہے رعباب کے علاوہ؟" اتنی صبح صبح بیدار ہو جانا ہے جگہ نہیں اتنی دیر نہیں میں بلاتا ہے کہ تمہیں کپڑے تبدیل کرنے کا عرصہ نہیں رہتا۔" ایک تو تعیش اس پر طرز وہ شے ہے پلا۔

دل میں رعباب سے ملنے جا رہا ہوں۔ آپ کو یاد ہے؟

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اور اعتراض ہو گا بھی تو؟" آخر کو وہ تمہاری دلاوری سے شکستہ ہو گیا تھا۔ اس نے بھی اذیت تم کسی بھی اذیت اس سے نہیں لیا کرتے۔ وہ اس نے شینے ہوئے اس پر چوت کی۔ انہیں اچھی لگتا تھا کہ مرقع اس حالت کے چھپے رعباب کی طرف سے تھا۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ رعباب کی غیر موجودگی میں اس سے ملنے

جائے وہ شینے وہ شینے بعد ہی اس کے کمر جا تھا۔ وہ بھی کچھ دیر کے لیے لیکن کل نہ صرف وہ ان کے کمر گیا تھا بلکہ ساری رات اس کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی تھی اور اب اس کی سرخ آنکھیں، فکر مند چہرہ سارے راز اکل رہا تھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہونا بھی نہیں چاہیے کیوں کہ آپ ابھی طرح جانتی ہیں کہ میں آپ کے کسی اعتراض کو کبھی خاطر میں نہیں لایا اور نہ ہی مجھے لگاؤں گا۔" وہ بھی مرقع۔ اپنی بات مکمل کر کے اس نے ان کا جواب سننے کی ذمیت نہیں کی تھی۔

جب وہ رعباب کے کمرے پہنچا تو زینت صفائی میں لگی ہوئی تھی۔ مرقع کو اتنی دیر تو کچھ بھی چہ ان ہوئی۔ لو کرانی بھی وجہ دریافت تو کر نہیں سکتی تھی۔ البتہ فوراً سلام کیا۔

"وہائیک السلام! منزل بی بی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں تو وہاں سے اپنے کمرہ گئی ہوئی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم؟" زینت کے جواب پر اس کا ہاتھ ٹھنک۔ کل اسے منزل کا پوچھنے کا ہوش نہیں تھا اور آج جب پوچھا تو وہ پہلی تھی ہی نہیں۔

"آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوا اور پھر سبز حلیاں چھیننے لگا۔ اس نے رعباب کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دو شئی کے کمرے میں پہنچتے ہی رعباب نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"رعباب!" مرقع بے قرار آواز پر بھی وہ دس سے مس نہ ہوئی۔

"اگلی ایمر ریلی سوری۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ رعباب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہاری طلاق والی بات نے میرے ہوش و حواس سلب کر لیے تھے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم میرے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ تم میرے لیے میری ساری ساری زندگی دینے کے لیے ضرور دی ہو۔ اگر رعباب نہیں تو مرقع انفرمیں کے لیے

زندگی نہیں۔ تم اتنی آسانی سے مجھے موت کیسے دے
 بکتی ہو؟ کیسے مجھے اپنی زندگی سے نکال سکتی ہو؟ عمر
 کے لنگھوں میں سحالی کی مسک اور جذبات کی ترپ
 تھی۔ یہ رعب کاہل کاپ کپا ہوا ہے تو از رو نے لگی۔
 ”تمہارا دل رونا ثابت کرتا ہے کہ تم بھی مجھ سے
 محبت کرتی ہو۔ میرا ساتھ چھپیں قبول ہے تم بھی
 میرے سنگ اپنی زندگی گزارنے کی خواہش مند ہو۔ تو
 چھپو یہ انکار کیوں؟ کیوں تم ہماری سیدھی سادھی
 زندگی کو پریشان کر رہی ہو؟“
 وہ بہت بے چین رہا اور وہاں رعب نے تمام
 ترہت جمع کی اور اس کی طرف دیکھا۔
 ”میرا مجھے آپ سے محبت ہو یا نہ ہو وہ ایک کہانی
 ہے کہ کہ مجھے آپ پر بھروسہ نہیں۔“ رعب کے
 اس ایک جملے نے ہی عمر کی ذات ہلا کر رکھ دی۔
 باتوں میں دبا اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ وہ بے چین
 نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رعب نے اس سے
 آنکھیں نہیں چرائی تھیں وہ براہ راست اس کی
 آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی وہی کہانی سن رہی
 تھیں جو رعب کی زبان نے سنائی۔ یہ پہلے اوار کرتے
 اس کی زبان نے بھر کے لیے بھی نہ لڑ کھڑکی۔ وہ کتنی
 ہی دیر کچھ بول نہ پایا۔
 ”تم نے مجھ میں ایسی کون سی خرابی دیکھی ہے۔ جو
 تمہارا مجھ پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا۔“ وہ خود کو مارل
 کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔
 ”چھپا۔ آپ میں تو جیسے بھی کوئی خرابی تھی ہی
 نہیں۔“ رعب کے طنز افس۔
 ”وہ میرا ماضی تھا اور میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں
 چھپایا۔“ اسے لگا کہ اپنی صفائی دے رہا ہے یہ احساس
 ہوتا ہی وہ ایک دم چپ کر گیا۔
 یہ وہ رعب نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔ یہ تو کوئی
 اور ہی لڑکی تھی۔ وہ حیران پریشان سا اسے دیکھ رہا تھا۔
 پھر عمر نے اسے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے
 دیکھا۔ رعب نے اس کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھنے
 لگی۔ وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چلتا گیا۔ کمرے کے

دروازے کے پار آکر اس نے عمر کا ہاتھ چھو لیا۔
 ”کنج کے بعد میرے دل کے اور میرے
 دروازے آپ پر بند ہیں۔“ انہیں کھولنے کی
 بھی کی تو آپ بہت نقصان اٹھائیں گے۔“
 وہ ایک قدم کمرے کے اندر رکتے ہوئے
 اب تک شاک میں تھا۔ رعب کا ارادہ بھانپ
 نے بند ہوتے دروازے کو دھکا دیا۔ اگر آج اس
 دروازہ بند کر دیا تو مغلطہ اور خراب ہو جائے
 جاتا۔ وہ خود انہیں قہرانا اور وہ ایسا نہیں چاہتا
 اپنے رشتے کو وہ انکی ہیئت نہیں چھانا چاہتا تھا۔
 لیے اس نے رعب کو دھکا دیا۔ وہ بند کر کے
 دروازے کو دھکا دیا تھا۔ رعب کی دروازے پر
 سن کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔
 رعب کے سر سے بری طرح کرایا تھا اور وہ
 پر قہاری رکھ سکتی اور گرتی مرنے کی وجہ سے
 بھی مرنے لگا تھا۔ ہاتھ ایک طرف سے پھٹ گیا تھا
 ایک خانہ دل رہا تھا۔ عمر جھاک کر اندر آیا۔
 ”پلیز رعب۔“ رعب نے اسے دیکھا۔
 ”ابھی اٹھو اور ڈاکٹر کے پاس چلو۔“ اس نے اسے
 انجانے کی کوشش کی۔
 وہ کچھ کے بغیر اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔
 شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ پٹنے پٹنے ہونے لگا۔
 ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ عمر وہ دھیت بنی اپنا ہاتھ
 رہی تھی۔ عمر کو اس کی جھانکی پر شدید قصہ آیا۔
 ”تم اگر اب نہیں اٹھو تو میں تمہیں انجانے
 جاؤں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔ رعب دھمکی
 عمر نے اسے سارا دھکا تو اسے انجانے کی کوشش
 لگی۔ وہ بے شکل ہونے لگی۔ عمر نے فرسٹ ایڈ
 دھونڈ ڈھانڈ کر نکالا۔ اس سے پہلے کہ وہ پاس
 رعب نے غصے سے بائیں پیچھا مارا اور خود ہی اسے
 صاف کرنے لگی۔
 ”ہو گئی میری ٹیٹیشن۔ اب آپ جا بیٹے
 سے۔“ عمر اور اندازہ دونوں رونے لگے۔
 رعب اسے دیکھا۔

”نیکل واپس آجائیں تو میں ان سے رخصتی کی
 بات کروں گا اور اگر تم نے ان کے ساتھ کوئی فعل
 کی تو پھر مجھ سے کوئی جگہ مت کرنا۔ تم میری بیوی
 میں نہیں عزت سے رخصت کروا کر لے جانا
 چاہتا ہوں۔ لیکن تمہاری یہی حرکتیں رہیں تو پھر میں
 دل لفظ نہیں کروں گا۔ اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں یہ
 ہی یاد رکھنا۔“ ساری زخمیاں پالنے خالق رکھ کر وہ
 جلدی سے بول رہا تھا اس کے لیے میں سختی نہیں
 تھی مگر انداز ایسا تھا کہ وہ گھبرا سی گئی۔
 ”اگر آپ نے میرے ساتھ زندگی کرنے کی
 کوشش کی تو میں اپنی جان لے لوں گی مگر آپ کا نام
 روئے رہنے کی لذت میں برداشت نہیں کروں
 گا۔“ وہ چیخ کر بولی۔ عمر کے اٹھے قدم دک گئے تھے۔
 وہ اس کی جانب چلتا اور نہایت سرد انداز میں اسے
 دیکھا۔
 ”تم ٹھیک ہے تم اپنا ایمان پورا کر لیتا۔ میں تو وہی
 کروں گا جو میں نے کہا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ
 عزت کے ساتھ اس گھر سے نکلتی میں رخصت ہونا
 ہے یا پھر حرام موت گئے لگا کر بات کی عزت دل دار
 لٹی ہے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ یہ دونوں
 صورتوں میں میرا تمام تمہارے نام کے ساتھ ہی ہے۔“
 وہ مطمئن سا کہ کر باہر نکل آیا۔ وہ اس کے
 پیچھے نہ گئی۔
 وہ کسی کو بھی بتانے بغیر حیرت قیام لگی تھی۔ شائق
 ان سے اسے پایا تھا۔ وہ چاہے کے باوجود اس کے
 اسے پر انکار کرنے کی متمثل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس
 سے اپنے دل لیا تاکہ کو اپنے آنے کی اطلاع نہیں دینی
 کی کیونکہ اسے ان سے ملنا نہیں تھا۔ اگر وہ شائق
 ان کی بات ماننے سے انکار کرتی تو وہ خود کراچی میں
 شائق کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ کر انتظار کر رہی

تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ خوب چٹا چٹوہوں میں ڈوبا اس
 کے سامنے براہ من ہو گیا تھا۔ اس کا دل نفرت سے
 بھرے لگا اس مصنوعی خوشبو میں ڈوبا اور اندر سے کتنا
 غلط تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔ شائق اسے دیکھ کر
 مسکرایا۔ مسکرا بھی نہ سکی۔
 ”کیسی اہ۔“ وہ بڑی انگلی سے ہاتھ ربا تھا۔
 ”مجھے کیوں بلایا ہے یہاں۔ اب چھپیں مجھ سے
 کیا کام ہو گیا۔“ وہ غصہ ہاتھ ہوئے بولی۔
 ”تم نے تو مجھے مستقبل قریب میں موت سے کام
 دینے والے ہیں۔“ اس نے اس کا ہاتھ تھامنے کی
 کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر پیچھے
 ہوا کر بیٹھی۔
 ”میرے سامنے انکرا مت کرو۔ تم جانتی ہو کہ میں
 اکر نے والوں کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔“ اس کا لہجہ یک
 دم بدل گیا۔ منہ کیسے بھول سکتی تھی۔ چپ ہو رہی۔
 ”کلم کی بات کرو۔“ کچھ دیر بعد اس نے اپنے آپ
 کو مضبوط کرتے ہوئے کہا اور بولا۔ ”اس نے جو طلب
 کیا اس سے منہ کو زمین و آسمان گھوڑے محسوس
 ہوئے۔“
 انیس عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔
 اس بے چینی کی وجہ جاننے سے وہ قاصر تھی۔ یہی
 اتنی دور وہ ایک اہم منہنگ کے سلسلے میں آئے تھے اور
 اسی کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک دم ہی ان کا دل ہر کام
 سے اچانک ہو گیا۔ دگ دپے میں بے قراری دوڑ رہی
 تھی۔ انہوں نے لب ٹاپ بند کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ
 کھڑے ہوئے۔ کئی روز سے ان کی رعب سے بات
 نہیں ہو پائی تھی۔ وہ انہیں بہت یاد تھیں تھی۔ تب
 ہی ان کا موبائل بج اٹھا۔ انہوں نے لپک کر فون
 اٹھا۔ رات کے بارہ بجے اگر وہ فون کر رہی تھی تو
 یہ کیا سہلی خاص وجہ ہوگی۔
 فون سن کر وہ مزید پریشان ہو گئے تھے کل کی
 منہنگ کے بعد انہیں فوراً پاکستان کے لیے لگانا تھا۔

وہ پہلے ہی بے غماض پریشان تھی۔ اس پر عمر کے فون نے دی سی کسر پوری کر دی۔ وہ اسی وقت حیدر آباد سے نکل گئی۔ عمر چنچے ہی اس نے ملازم سے مخاطب کام چھوڑا۔

"جی وہ تو دن سے اپنے کمرے میں بند ہیں۔ نہ کچھ کھاتی ہیں۔ نہ پیتی ہیں۔ روٹی دیتی ہیں۔ خجائے کیا ہو گیا ہے۔" وہ برساتی سے چار دی گئی۔ "مٹل فوراً" اس کے کمرے میں لگی۔

"مخاطب" اس نے آواز دینے ساتھ ہی لائنیں کھنکیں۔ یہ مخاطب بستر پر آڑی تر جھکی ہوئی مٹی کی آواز پر وہ فیس سے مس نہ ہوئی۔ مٹل غیور کر تجھبت آئی۔ وہ شیعہ بخار کی کیفیت میں تھی۔ اس کا چہرہ تجھبتانے لگی۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں اور مٹل کو اپنے قریب دیکھ کر اس نے منہ چھیر کر آنکھیں بند کر لیں۔

"مخاطب! آنکھ کی کوشش کرو، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔" وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔

"مٹل! میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" اس نے قلم ہتھیں جمیے کر کے چیخ کر کہا تھا۔ مٹل کارنگ فن ہو گیا۔

"کیا ہوا مخاطب! تم ایسا ہی ہو کیوں کر رہی ہو؟" انہی لفظوں سے چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔" مٹل حد درجہ پریشان تھی۔ آخر کار اس نے عمر کو فون کر کے بلوایا۔ عمر سیدھا مخاطب کے کمرے میں چلا آیا۔

"انصوب۔ درنہ تم جانتی ہو کہ میں کیا کروں گا؟" مٹل باہر کھڑی بن رہی تھی۔

"مجھے نہیں جانتا۔ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ غصے سے بولی۔

"میں چھوڑ سکتے ہوں جیسے ایسے۔" وہ بھی سخت گے۔ "مٹل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جاؤں گی نہیں۔ نہ جینے دیتے ہوں۔ دیتے ہو۔" آخر عمر لوگ کیا چاہتے ہو؟ کیوں نہیں کرتے رہتے ہو تم سب کے سب۔" وہ وحشت چلا رہی تھی۔ اس نے عمر کا رنگ بیان پکڑ رکھا تھا۔ جتنی ہی دیر ساکت سا اس کی اس انتظار صاف کور ہو کر اور پھر چپ چاپ اسے اٹھا کر گاڑی میں بٹھا کر چھٹی چابی دی۔ مٹل بھی آگرمینہ کی تو اس نے اس کے برعکس دیا۔

"اگر وہاں اسپتال میں بھی تم نے یہ سب باتیں سب کے سامنے دو کروں گا جو تم پر داشت ہو گیا ہوگی۔" پھر بے چپ چاپ اپنا حال بیان کرتا ہوا اس کے کمرے سے وارنٹ ہوئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ انہیں ایسی دوا دی جائے جس سے یہ سوسائٹس پریشانی کے باعث یہ دوا نہ دے سکیں۔" عمر ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری دوست ۱۲۲۱ چاہتی ہوں وہ۔" مٹل کا پاس رک گیا۔

"میرے پیارے۔" وہ مسکائی۔ "مٹل کے ہاتھ مخاطب کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

"تم سب بہت بڑے ہو۔ میں مر رہا ہوں۔" مجھے اثر ہے تم سب سے اپنے ٹھپ سے۔

چیز سے۔ "مٹل کو لگا سا توں انسان اس پر ہولندہ وہ بے جان سی ہو گئی۔

مخاطب کے ٹوٹے پھوٹے جملوں نے اسے کیا نہیں سمجھا دیا تھا۔ اتنی فطرت اتنی بے اعتباری۔

بے اختیار وہ مخاطب کو دیکھنے لگی۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ انہیں کسب ہتادوں۔" وہ جلد سے جلد آگئی۔ مخاطب کی ذہنی حالت بہت ہو رہی ہے۔

"یہ گری سائیں بھرتے ہوئے۔" "میں نے انہیں فون کیا تھا۔ مخاطب کے منہ کچھ نہیں بتایا میں پر چھا تھا کہ وہ کب آئے۔

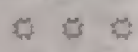
انہوں نے کہا کہ وہ آج شام کی غفلت سے تھی۔ "مٹل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ہاؤ کی کراہ بھجی گئی۔

"جھجکے کیا تم ہے اسے۔ کیا ہو گیا ہے مخاطب؟" عمر نے بے بسی سے اپنے بال ٹھیکوں میں جکڑ لیے۔ ایک مخاطب کی حالت اس پر بے خبری۔ اصل وجہ معلوم ہوتی تو یہ وہ کوئی مخاطب نہ کہ وہ چپ

مخاطب مخاطب کو دیکھ گئی۔ جبکہ مٹل سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی اسے حقیقت کا علم ہو گیا ہے؟ اگر ہاں تو کیسے؟ لیکن اس میں ٹھیک مخاطب کا کیا قصور؟

قصور دار تو میں ہوں۔ وہ لوں اپنی اپنی سوچوں میں اچھے مخاطب پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔



"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں بس یہاں نہیں رہتا چاہتی۔ مجھے یہاں سے دور جانا ہے۔" وہ اسے آنسو روکنے ہوئے بولی۔

مٹل نے بے بسی سے ٹھیک مخاطب کی طرف دیکھا۔ عمر بھی چھٹا رہا تھا۔

"تم ہمیں وجہ بتاؤ۔ اس کے بعد تم جو کوئی بھڑکی کریں گے۔" وہ سب سے سنجیدگی سے بول رہے تھے۔

مخاطب کے ہونٹوں پر مٹل ایک سنگ و عمر کے سامنے کیسے یہ سب کتنی اور ہمیشہ کی طرح ٹھیک مخاطب بتانے کے کچھ گئے تھے۔ انہوں نے عمر کو اشارہ کیا کہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

"یہاں۔" وہ اس کے قریب آکر بیٹھے اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر مخاطب نے ایک دم ان کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا لیا تھا۔

"مجھے بیٹا سے کچھ نہیں میں کچھ نہیں لگتی آپ سے۔" وہ کہنے ہوئے بولی۔ مٹل کھل سکا کر پڑا۔

"کیا غلطی ہو گئی مجھ سے؟" وہ بے حد مایوس ہو چکے تھے۔ مخاطب جھکی۔

"مٹل کے ساتھ آپ کا عشق؟" ٹھیک مخاطب کو اس نے گرم سیدھ ان کے کانوں میں اتر کر بولا۔

مٹل نے جھک کر مخاطب سے کہا۔

تھے۔ "وہ دوری تھی جی رہی تھی۔ ٹھیک مخاطب ہم صدمہ جیسے تھے۔ عمر اسے قابو کرنے کی کوشش میں تھا۔

"عمر چھوڑو اسے۔ یہ ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، ٹھیک ہے۔ چند دن بعد مخاطب کی تمہارے ساتھ رہنے کی بات لے کر آ یا اکیلے،

تمہاری مرضی۔" ٹھیک مخاطب کی بات سن کر مخاطب پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

کمرے سے باہر نکلنے وقت ان کی چال بے حد غلط تھی۔ عمر ان کے پیچھے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ اور جا کر تیاریاں کرو۔ جس دن تمہاری رہنمائی ہوئی اس دن میں مٹل سے

لگاؤ کر دوں گا۔" ایک اور دھماکا۔ مٹل کو لگاؤ زمین میں گر گئی ہے۔ عمر بھی نگاہیں نہ کیا۔



مخاطب الہم کھول کر مجھے تھی اور بڑی محبت سے ایک ایک تصویر دیکھ رہی تھی۔ یہ ساری تصویریں اس کی اور قافح کے خوش گوار دنوں سے وابستہ تھیں۔

اس میں الجھ کر متناومت گزر گیا اسے احساس تک نہ ہوا۔

کتنی دیر بعد اس نے ساری تصویریں سمیٹ کر الہامی میں رکھیں پھر ہاتھ نیچے پر رکھا مٹل اٹھایا اور اپنی دوست مٹل کا ہر بولایا۔

"اسلام علیکم؟" اس نے بے حد خوش گوار لہجے میں اسے سلام کیا۔

"و علیکم السلام! اکیسی ہو مخاطب؟" مٹل نے الجھ بشارت بشارت دیتے ہوئے کہا لیکن جھکن پھر بھی ظاہر ہو گئی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تمہیں کیا ہوا؟" غصہ تو ہے۔ اس نے فوراً ہی اس کے لیے کی جھکن محسوس کر لی۔

مٹل نے کہا ہو گا پانچ ٹھیک ٹھاک ہوں میں۔ "اس نے سسکاتے ہوئے کہا۔

تو پھر اپنی مٹی ہوئی آواز میں کیوں بات کر رہی ہے۔

ہو۔ انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" صاحب نے
استغفار کیا۔
"اصل میں پچھلے دنوں ابو کی طبیعت بہت خراب
ہو گئی تھی۔ انہیں اسپتال داخل کروانا چاہیے۔ اسی خود بیمار
رہتی ہیں۔ ابو کی تمار داری نہیں کر سکتیں تو ابو کے
ساتھ اسپتال میں بیٹھے رہنا چاہیے۔" اس نے سرسری لہجہ
اپنا کر بات کی۔
"لب کیسے ہیں وہ؟"
"تب کافی بہتر ہیں۔" اس نے کمری سانس خارج
کر کے کہا۔
"اور تمہاری جانب؟" اس کے گلے سے سوال پڑا
گزر رہا تھا۔
"جانب بھی بس ٹھیک ہی چل رہی ہے۔"
"تج تازہ منزل۔" صاحب کا انداز دھمکانے والا تھا۔
"چند عرصہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جانب سے نکل دیا
گیا۔" اس کے لہجہ میں ہلکی سی غمی۔
"وہ؟" وہ چپ ہو گئی۔
کھلی صاحب گھر پہنچے تو صاحب کو لاؤنچ میں بیٹھا دیکھا
کہ وہ پریشان ہو گئے۔
"صاحب بیٹا۔" انہوں نے اسے پکارا تو وہ بڑبڑا
گئی۔ وہ اپنے خیالات میں الجھی ان کے قدموں کی
چاپ تک فراموش کر چکی تھی۔
"السلام علیکم یا ابا۔ آپ کب آئے؟" وہ اپنی
شرمندگی چھپاتی ان کے ہاتھ سے برف کیس تھاٹھ
ہوئے بولی۔
"خیریت۔ تم کچھ پریشان ہو؟" وہ تشویش سے
لیجے میں بولے تو وہ ہنس پڑی۔
"بیٹا! کج بہت دن بعد میں نے منزل کو فون کیا تو
مجھے اپنی بے خبری پر شدید فصد آیا۔" اور پھر اس نے
ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔
"وہ بے حد پریشان ہے۔" کیونکہ اس کی نوکری ختم
ہو گئی ہے آپ اس کے لیے جلدی سے جانب ڈھونڈ

دیں تاکہ وہ کچھ تو پر سکون ہو سکے۔" وہ گھری ہوئی
سے بولی۔
"میرے لیے بھی اسے کئی بار منزل بلا چکی ہو گی۔
نہیں بھائی۔ کچھ یار بھی میں نے اپنے ہی آفس میں
اسے بیٹھ کرنے کا سوچا تھا۔ لیکن وہ تیار نہیں ہوئی
آئیے پر۔" وہ تنبیہ کی تے بولے۔ صاحب کو سب
تھا۔ لیکن وہ اس دعوے کی وجہ سمجھ نہیں سکی تھی۔
"بیٹا! آپ جس جانب کا بندوبست کیجئے میں اسے
منازلوں کی اور مجھے نہیں ہے کہ وہ مل جائے گی۔ کیونکہ
اپنے والد کی بیماری اور پھر اس کی نوکری کے ختم ہونے
کے بعد وہ بہت سے مسائل کا شکار ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ بیٹا کو بخش کر دے ہیں۔" انہوں نے
تنبیہ کی سے کہا۔
"بیٹا! میں منزل سے ملنے کے لیے حیدر آباد
چاہتی ہوں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا تھا۔
"جانب سے۔" تم دن منتخب کر لو میں تمہیں
پنوں جگہ فی الحال مجھے انجی ہی چاہئے۔ چارو، آج
دونوں باہر ڈر کر ہیں گے۔" وہ فون کو آواز میں
بولے۔ وہ مسکرائی، اولیٰ بچن میں ملی گئی۔
"میرا تم باہل ہو گئے ہو کیا؟ کیوں مجھے پتہ نہ
ہو؟" آصف اس کی فرمائش پر گھبرا گیا تھا۔
"میرے ہوتے ہوئے مجھے کوئی اور کیوں پتہ
اس ٹیک کام کے لیے میں ملتی ہوں۔" اس نے آپ
خطرناک طور پر دیکھا۔ آصف کا منہ سن گیا۔
"یار! دیکھ اگر تو یہ سب کرے گا اور میرے بیٹے
چل گیا تو۔؟"
"تو کچھ نہیں ہو گا۔ بحث مت کر لو اور بیٹا۔"
مجھے۔" وہ اس کی بات گٹ کر بولا۔ آصف نے
دوست تھا۔ یہ فانی اشارہ ہوئی آصف کے ابا جان
تھا۔ وہ بھی کبھی کبھار دھڑک رہا تھا (صرف بچن کو)
آج عمر نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ اسے اگر
کہ وہ اس سے ایسی فرمائش کرے گا تو وہ آج تو

بچن نہ صرف وہ آپ کا تھا بلکہ پھنس بھی چکا تھا۔
میرے ہاتھوں۔ میری بات نہ ماننے کا مطلب تھا اس کی
بڑائی۔
مروغز کا مخصوص لباس پہنے ہوئے ہاں میں گھوم
رہا تھا۔ وہ آؤر ڈھونڈ لے چکا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار
داخلی دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ صاحب
اپنے بیٹے کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر
خیران رہ گیا۔ میٹھوں کے بعد اسے دلچسپ رہا تھا۔ صاحب
کو دیکھ کر اسے اچھا لگتا تھا۔ بہت اچھا لگتا تھا۔ پیش کی طرح
آج بھی وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔ اس کا
چہرہ ہلکا سا اور اس کا ماحول پوچھے تو گھر پر ہے۔
اس روپ میں اس کے سامنے جانا تو وہ خیران ہونے
سے زیادہ پریشان ہو جاتی۔
انہی دو سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے کھلی صاحب کو
دیکھا۔ ان سے لگاتار باہر نکلتے دیکھ تو وہ اس کے پاس
چلا آیا۔
"کیسی ہو؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔
"آپ یہاں۔" اسی صاف صاف۔ "وہ شدید حیرت
رہ تھی۔ اس سے پہلے کہ عمر کے کوئی جواب دیتا اس
نے اپنے بیٹے کو اپنے دوستوں کے گھر اندر آتے دیکھا۔
"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" اپنے آؤر
لے لول۔ "وہ فوراً" وہ اس سے ہٹ گیا۔ وہ شخص سر ہلا
کر رہی تھی۔
"میرا اس سے زور اور ایسی ٹھیل پر آؤر لینے لگا ہوا
تھا۔ اس کے بیٹا اور ان کے دوست اسے آسانی سے
دیکھ سکتے تھے۔ عمر چل کے پاس کھڑا کچھ کہہ رہا تھا کہ
اس کی تواضع میں کہ جلد صاحب نے حیرت سے اس
دیکھا۔
"گو کے سیکم۔" وہ آؤر بولے چکا تھا۔ ابھی وہ اسی
جگہ سے باہر نہ نکلے تھے کہ لڑکی کے قہقہے سے
خبر دے عمر نے جان بوجھ کر اپنی نگاہ اس پر اتار لی
وہ تھوڑی سی گرا تھی تھی۔
"سوہو سیکم۔ سوہو سیکم۔" گھر پر تھا اور وہ ناؤر
اس کی لڑکی اسے دیکھ کر رہی تھی۔ جلد صاحب کی

سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر یہ ہوا کیا ہے اور کیوں ہوا
ہے؟ عمر سر جھکائے سب من رہا تھا۔ جلد صاحب کے
برابر میں بیٹھے ان کے دوست سوالیہ نگاہوں سے جلد
صاحب کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔
جبکہ عمر کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ لڑکی کسی طور
چپ نہیں کر رہی تھی۔ اس کے ہنگامہ چلانے پر سمجھ
دوڑا ہوا آیا تھا۔ عمر کی حیثیت سے واقف تھا۔ اپنی
جگہ پریشان کہ کرے تو آخر کیا کرے؟ سب ہی وہ خود
اس کی ٹھیل پر آگئے تھے۔
صاحب سے سب یہ برداشت نہ ہوا تو وہ بھی فصد کر
باہر نکل گئی۔
"شاپ دس ٹان سنیں۔" تم جانتی ہو کہ تم
کس سے بات کر رہی ہو؟" وہ لڑکی کے سر پر جا کر
دھاڑے تھے۔
"یہ خاتون ایک وغیرہ بات کر رہی ہیں اور مروغز
کے ساتھ اسی طرح بات کی جاتی ہے۔" عمر کا سرد انداز
میں ادا کیا گیا تھا۔ انہیں سب سمجھا گیا تھا۔ وہ انجیسے
سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کا بیٹا تھا۔
"مروغز کی کوئی عزت نہیں ہوتی کیونکہ وہ آپ جیسے
لوگوں کی چاکری کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔" ٹھیلے رہے
کے کیزے کھڑوں جیسی زندگی گزارنے والوں کی کیا
عزت ہے؟ تا سب۔ "وہ لڑکی اب چپ ہو کر انہیں
دیکھ رہی تھی۔ جلد صاحب سے کوئی جواب نہ بن رہا۔
کچھ دیر پہلے اسی ہونٹ میں عمران کے ساتھ تھا۔
اور مروغز سے اپنی نگاہ اس ان کے کہنوں پر گرا گیا تھا۔ وہ
لڑکا "سوہو سیکم۔" تنک نہ کہہ رہا تھا کیونکہ جلد صاحب
نے ایک زوردار تحقیر اس کے چہرے پر ادا تھا۔ عمر کے
فصد کرنے اور جھگڑا کرنے پر انہوں نے وہ الفاظ ادا کیے
تھے جو عمر نے اب ان کے سامنے دہرائے تھے۔
"شکر کیجئے کہ انہوں نے مجھے اس غلطی پر تحقیر
نہیں مارا۔" وہ سخت غصے سے کہتا ہوں سے چلا گیا۔ وہ
انہیں کیا سمجھانا چاہتا تھا۔ وہ باپ تھے عمران کی جان
تھا۔ وہ لڑکی ان کے بیٹے کو اتنا سیدھا بول رہی تھی
اس وقت جسے انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کا

گاہکی دیادیں گے۔ انہیں اس کم عمر سے لڑکے کی سرخ آنکھیں اور چمکا چڑیا آگیا۔ اگر وہ ایک ستراندہ ہوتا اور کسی اسیر کوئی لایا ہوا کتا اور اس کے ہاتھوں ان کے کپڑے کندے ہو جاتے تو کیا وہ کسی روز یہ رکھتے ہاتھ ان کی سمجھ میں آتی تھی کسی اور کی عزت نفس کا احساس دلانے کے لیے وہ اپنے آپ کو بے عزت کروا رہا تھا۔ اتنا بڑا دل تھا کہ لڑکے کو پتہ نہ چلے پائے۔

موسم بدل رہا تھا۔ سرواں شہر اور دیہاتیں۔ اس سے پہلے کہ ریش بڑھتا نہ خیرباد کی گئی تھی۔ اس شخص نے اس مقصد کے تحت وہ بازار آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ منال سے ملنے جائے گی تو ان سب گھر والوں کے لیے بھی گھٹ لے جائے گی۔ اس لیے وہ دل کھول کر خرچ کر رہی تھی۔ جب ایک جگہ ٹھک کر رک گئی۔ وہ بلاشبہ غریب تھا۔ کلوثر پر کھڑا دو غلامین کو ڈبل کر رہا تھا وہ اس سے چہ قدم کے فاصلے پر تھی۔ عمر لے چوٹ کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لے لے کر دیکھ رہی تھی۔ عمر مسکرایا۔

"پلیز سب کیسے؟" وہ دونوں غلامین کو گھاسا کر چکا تھا اور اب اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ وہ تیرکون پریشان کی کلوثر کے قریب آئی۔

"آپ یہاں بھی؟" وہ جھجھکتے ہوئے بولی۔ عمر نے اپنی مسکراہٹ بولی۔ "میں کیا میں یہاں نہیں ہو سکتا؟" وہ بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ میرا مطلب تھا کہ آپ اس دکان سے نہیں۔ اور اب یہاں۔ آپ کو جاب سے نکال دیا گیا؟" وہ حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" اس نے بھی اپنے لیے میں اداسی بھری۔ "لیکن آپ یہ معلوم کیوں نہیں کر لیں؟" وہ بے چارے؟ آپ کے والد کا تو اپنا کاندہ بار ہے؟" وہ صاحب نے ان میں سے کسی سوال کو زبان دی۔ "خدا۔ لیکن اب نہیں سبب بدنس میں شدید

نقصان نے ہمیں سڑک پر لاکھڑا کیا۔" عمر نے اسے رقت پیدا کی۔ "اور آپ کی تعلیم؟" وہ پونہ روٹی میں بہت اسٹوڈنٹ ہوا کرتا تھا اس سے یہ بات منظر میں ہو رہی تھی۔

"اگر وہ نام آتی تو کیا میں آپ کو یہاں دیکھا ہوتا ہر کوئی تجربہ مانگتا ہے اور سفارش بھی۔ جو کہ میں پاس نہیں۔ یہاں صرف اس کی اہمیت اور ترقی ہے جس کے پاس ہے۔" اس کا لہجہ آخر میں ہنس تھا۔ عمر نے جب کلاچین کا پونہ روٹی لیا تو اسے سال سینہ عمر کی ذہانت کے چہرے پر پونہ روٹی کی یاد آئی۔ لڑکیاں اس کی خوب صورت شخصیت پر بھی ذہانت پر جان دیتی تھیں۔ وہ بھی اسے دیکھ کر "خجھیں" کے جھرمٹ میں دکھائی دیا تھا۔

مہلت اور حالات انسان کو کس قدر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس کے بچے نے جو سوچ کر اسے بھرا رہا تھا۔ عمر نے شاید پہلی بار اسے اس کے نام سے دیکھا۔ عمر کی آنکھیں تنک اٹھی تھیں۔ عمر اس طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس نے ایک جگہ پر کھڑا دیکھا اور اسے چھایا۔

"آپ کو اگر ضرورت پڑے تو مجھے کون فون کرو سنبھلے گا۔" وہ عجیب کر بولی۔ کتنا وہ یہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی ہی وی اسٹوڈنٹ سے ملے لیکن یہ بات سن کر عمر بھی لگ سا تھا۔ عمر نے فریج میں لنگر لیا۔

"شکریہ۔" وہ مسکرا کر بولی۔ وہ صاحب سے رقت مسکرائی۔ اس کا دل بے حد بوجھل ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھوں میں امدادی نمی کو صاف کیا۔ عمر نے پونہ روٹی رہا تھا اور پھر کچا کھانا کھانا۔

عمر نے اسے ملنے دیکھا تو اس کا دل چاہا وہ اس سے ملے۔ اس کے چہرے کی اداسی قسم قسم کے وہیں کھڑا اسے جانا دیکھا رہا۔ وہ صاحب کے نگاہوں سے ادھرتل ہونے سے

دست میں پکڑے فون خبر کو دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار ایک نرم سی مسکان نے اس کے ہونٹوں کو چھوا۔ اس نے خبر لے کر موبائل میں غور کیا اور پچی اپنے والٹ میں رکھ لی۔ وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا ایک محبت کی ابتدا ہو رہی تھی۔ چپکے چپکے۔

رات اس نے بہت کچھ سوچا اور منال سے ملنے کی خوشی محسوس کرتے گزار دی تھی۔ صبح جب وہ اپنے کمرے سے نکلی تو کلکیل صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو وہ ڈرنک نیل کے سامنے کھڑے بل بنا رہے تھے۔ کمرے کے نلے رنگ کی فرش اور کمرے پینٹ پنے عام دونوں سے نہیں زیادہ ملے۔ عمر نے دیکھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرائی۔

"ابا! بھی کھانا میں سوچتی ہوں کہ دادی امان نے آپ کی شادی کس عمر میں کر دے گی۔ کافی ٹیکہ کام کیا تھا اور عقل مند لڑکی بھی۔" وہ شرارت سے بولی رہی تھی۔

"مستقل مند لڑکی کیسے بھلا؟" وہ معنوی حیرت سے بولی۔

"وہ ایسے کہ اگر آپ کسی کو یہ کہیں کہ آپ کلکیل سے تو وہ بلا توجہ مان لے گا اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ کلکیل صاحب میری بیٹی نہیں میری بہن ہے تو بھی آپ کی بات پر ہر کوئی یقین کر لے گا۔" وہ بہت شرع ہے۔ کلکیل صاحب نے بھی ایسی ہی آئی۔ ان کی عمر واقعی کم تھی۔ ان کی دلالت میں ان کی شادی کروائی تھی۔ عمر اور صاحب نے اپنا عشق شادی کے ایک سال بعد ہی ہو گئی۔ ان کے بچہ کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ باپ بیٹی ہیں۔ "چھوٹا۔" کہیں بعد میں کلکیل پہلے کا کتا کہہ کر لگتا تھا۔ "وہ کلائی میں کھڑی ہانڈ مٹے ہوئے لڑکے کی طرح لڑکیاں میں سر ہایا۔ اس نے منال کو نہیں بتایا۔ وہ اس سے ملنے آ رہی ہے۔ وہ اسے سر اٹھوڑا کر دیکھتا ہے۔ وہ اسے حیرت زدہ کر دے گا۔ اسے کلکیل سے کہا کہ اس نے تیزی سے اتر کر دروازہ کھولا۔

دروازہ منال نے کھولا تھا۔ وہ صاحب کو اسے سامنے رکھ کر وہ چلن تھی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ اس کی غیر متوقع تبدیلی وہ منہ کھولے کھڑی تھی۔ وہ صاحب اس کی مامیت دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ "منہ کھولی کر کھڑی رہو گی کہ مجھ سے ملو گی بھی؟" وہ بے حد خوشگوار انداز میں بولی تھی۔ منال اس سے لپٹ گئی۔ دونوں ہی تہدیدہ تھیں۔ منال کی بند آنکھوں سے آنسو پڑے۔

"اکتارہ نہیں کی آپ؟" جانی پچانی آواز پر وہ کرٹ کھا کر میری ہوئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ ان پر ناکھیں ہٹائے کھڑی رہے۔ لیکن دل کو ٹانٹ کر وہ صاحب سے دور ہوئی اور ناکھیں جھکا لیں۔

"السلام علیکم!" اس نے شرمندہ سے لپٹ میں سلام کیا اور سائین پر ہو گئی۔ وہ جواب دیتے اندر داخل ہوئے۔ تین کمروں اور مناسب کچن پر مشتمل چھوٹا سا گھر ہے۔ وہ صاف ستھرا تھا۔

"آپ کیسے؟" انہیں۔ "اس نے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر کھس کر لائٹ آن کی پکھٹا چلایا تاکہ بند کمرے میں تاری ہو۔ انہیں بٹھا کر وہ کچھ دیر کے لیے غائب ہوئی۔ آئی تو کھاسوں میں جوس تھا۔ انہیں گلاس تھا کہ سامنے بیٹھ گئی۔

"آئی آنکھ کی طبیعت کیسی ہے؟" صاحب نے بات کا آغاز کیا۔

"اسی کے ٹھنڈوں میں درد تھا۔ اسپتال میں جی جیکہ ابو کچھ دیر پہلے ہی سوئے ہیں۔ کلکی بہت طبیعت ہے۔ تم سناؤ کیسی ہو؟" اس نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا تھا۔ صاحب نے اس کی پریشان محسوس کی تھی۔ کلکیل صاحب کو بھی وہ بے چین سی لگی۔ اس کے مالی حالات جس طرح کے تھے اسے پریشان تو ہو گا ہی تھا۔ مگر کچھ اور بھی تھا۔ منال اپنی بدلی سی لگ رہی تھی۔ وہ کلکیل صاحب کے سامنے کھل کر کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ اس لیے اسے پونہ روٹی کے قے سامنے لگی۔ اس کا آخری سانس بھی کھل ہو گیا تھا۔ وہ اب نیچے

کے انتظار میں تھی۔ منسل اس کی باتیں سن کر وہی پر توجہ لکھیل صاحب پر تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے دھیان میں تھے۔



وہ جب سے صاحب سے ملتا تھا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنے والٹ میں سے دو برقی انگلی اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ ایک خوبصورت سا منظر اس کی نگاہوں میں آیا تھا۔ صاحب اس کی جو بیڑ تھی۔ عمر نے سنے آئے والوں کی ہمت دیکھ کر بھی کسی استغوتس کسی بھی دوبار گفت کے ہوتے اس کی شرارتوں سے نہیں بچ پاتے تھے۔ جب صاحب نے بیٹور شہی جو ان کی پہلے ہی دن اس کا گھر سے ہوا تھا مگر حیرت انگیز طور پر عمر نے اس سے کوئی شرارت نہیں کی تھی۔ عمر کو وہ اس کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ شاید صاحب کی بے تحاشا معصومیت نے اسے کسی بھی شرارت سے روکے رکھا تھا۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی دلکشی اور عظیم تھا۔ جس نے عمر کو متوجہ کیا تھا۔ عمر اس نے دوبار غصہ کا پتا دریافت کیا تھا۔ اور عمر اسے پتا بھانے کے بجائے اسے خود دوبار غصہ تک چھوڑ آیا تھا۔ اس کی یہ حرکت اس کے دوستوں کو ہنسم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے دوست کی سمجھ کہ یقیناً وہ دونوں پہلے سے ہی ایک دوسرے سے واقف ہیں اس لیے عمر نے اسے تنگ نہیں کیا۔ عمر نے اس الزام کی سخت بے میں لپی کی تھی۔

”صاحب مجھے پہلی نگاہ میں معصوم اور سادہ لگی ہے اس لیے میں نے اسے تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔“ یہ بیان عمر کا تھا اور سچائی پر ہی مبنی تھا۔ مگر غصہ آئے والا ہر طالب علم شروع کے دنوں میں اسی قدر معصوم اور سادہ دکھائی دیتا ہے۔ جتنی کہ صاحب تو پھر ان ”معصوموں“ کی دیکھ کر کہیں؟ ”اعتبار نے اسے گھورتے ہوئے کافی اچھا پوچھت اٹھا تھا وہ عمر کی دوست تھی اور عمر کوئی جواب نہیں دے پایا۔

ان کز دے سالوں میں اسے معلوم تھا کہ کے فلاں کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر وہ جلتے میں وہ کافی مشغور تھے۔ کئی پارٹیز میں ملاقات ہوئی تھی لیکن صاحب کو اس نے بھی گھر سے ہرگز کسی پارٹی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ ان میں پایا کہ وہ ان کی بیٹی ہے۔ جب اسے معلوم حیرت ہوئی۔ وہ اب تنگ یہ سمجھتا تھا کہ صاحب سادگی اور شرافت مال کا اس کے ذہنی گھر لسنو ہوگی حقیقت معلوم ہونے پر اسے اپنی سوچ پر ہوا۔ اسے اول روز سے وہ اچھی لگی تھی۔ اس پر اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے گریزاں تھی۔ شاید لڑکے سے جس کے ایک افر کا بھی اسے علم ہو سے دور بھاگتی۔ اس کی اس دورچہ احتیاط پسند کی بارش کا بھی اس نے صاحب کو کبھی تنگ نہیں کیا۔

اس کی پر صحتی مکمل ہو چکی تھی۔ اس کے کا سامنا صاحب سے پہلیوں بعد ہونا تھا۔ وہی شادی کے فکشن میں۔ وہاں اسے کچھ بعد وہ جاتی جیسے گونگی ہو۔ اور اب چھ دن بعد اسے دیکھنی دینی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی بہن کے اندر کیا بر جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا جسم تیار ہو گا اور وہ کھانا بھی نہ کھا سکی ہوگی۔ اور پھر وہ اسے شاہک مل میں دکھائی دے گی۔ کلوسٹر پر کام کرتے دیکھ کر وہ بھی اور پریشان ہوگی اس نے بتا سوجے سمجھے بھوت بولا تھا۔ اسے عمر تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ شاید اس کی توجہ حصول کے لیے کیے کہ نہ بچھلے کئی دن سے رہے۔ کچھ دن پر سوار تھی اور بار بار اسے یاد آ رہی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ اس نے کہیں گیا تھا۔ اپنے دوست کے ساتھ وہ بھی کسٹروک بھگتے دنگ۔ عمر کو کیا علم تھا کہ شخص نے لے جانے والے کام میں اسے صاحب کا پیہر لگا۔ بغیر کسی کوشش کے۔

وہ اسے اسی شش و پنج میں جتا تھا کہ اسے فون سے نہ کرے۔ دل اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ اس نے تنگ ہار کر دل کی بات مان لی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس نے صاحب کا پیہر اٹل کیا جو کہ اس نے ”بی“ کے نام سے محفوظ کیا تھا۔ کل جانے لگی۔ فون ٹھنکی پر فون اٹھا لیا گیا۔

”ہیلو“ ”نیند میں ڈوبی تھا تو آواز نے اس کے دلوں کو بچھا۔“ ”دو سری بار آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ جیہا۔“ ”دس کا فون ہے۔“ ”ایک اور فونالی نیند سے جیہا۔“ ”تو آواز بھی ابھری تھی۔“ ”تو نہیں۔“ ”صاحب نے شدید بے زار لہجے میں کہہ کر فون کاٹ دیا۔ صاحب کی بے خبری پر وہ افسردہ ہو کر اور بیٹھ گیا۔



صاحب منسل کے گھر میں چھ دن کے لیے رکھ گئی تھی۔ لکھیل صاحب کراچی واپس چلے گئے۔ صاحب اور منسل اسکول کے لانے سے دوست تھے۔ صاحب شہر کے مٹنے ترین اسکول میں پڑھتی تھی۔ حامد صاحب وہاں کینٹین جاتے تھے اور اسی وجہ سے منسل کو وہاں داخلہ دے دیا گیا تھا۔ پر پہلے انہی نے منسل کے والدین نے منسل کی زبانت سے متاثر ہو کر ان کی طرف لپکی تھی۔ ورنہ ایک معمولی انسان کی بیٹی وہاں پر حنا دیکھت میں سے تھا۔ منسل اور صاحب ان دونوں میں تین منسل کا فون تھا۔ منسل اس سے تین دن پہلے تھی۔ مگر دونوں ان کا فون نہیں۔ ہم مزاج ہیں۔ وہ دونوں کی جلد ہی دوستی ہو گئی۔ مگر کچھ بعد اس نے ایک گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ اور صاحب نے اسکول کی کینٹین ختم کر دی۔ وہ اب اپنا گھر کر رہا ہے۔

حامد صاحب نے کاؤ بار شروع تو کر دیا تھا لیکن پھر وہ کم پڑ گیا تھا۔ انہیں اپنا گھر فروخت کرنا پڑا۔

حیدر آباد میں چھوٹا سا سی سی پر لون کا تھیلی گھر تھا۔ منسل گھر فروخت ہو جانے کے بعد دن اسرہ رہی تھی۔ حامد صاحب نے انجی بی بی کو یقین دلایا تھا کہ وہ جلد ہی اپنا گھر بھرے خریدیں گے۔ مگر حالات نے یوں پٹنا کھایا کہ سب حق و حق رو گئے۔ جس کے ساتھ مل کر انہوں نے گاؤں بار کی بنیاد رکھی۔ وہ شخص سب کچھ سمیت کر قرار ہو گیا۔ حامد صاحب کا دل بہ رواشت نہ کر سکا۔ اس حالت کے بعد وہ بیمار رہنے لگے۔ ان حالات میں منسل اپنا کالج بھی جاری نہ رکھ سکی۔ صاحب کے لاکھ روکنے پر بھی وہ کراچی میں نہیں رہی تھی۔ اور اپنی پہلی کے ساتھ حیدر آباد میں شفقت ہو گئی۔ حامد صاحب نے اپنا محلہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور اب مزہوری کر کے پھرے گھر کا خرچ چلانے لگے۔

صاحب بے حد اداس تھی۔ وہ برقیل کو اس تمام واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی اور گزارش کی تھی کہ ماضی نہ ہونے کی صورت میں منسل کا لایہ مٹ کارڈ نہ روکا جائے۔

احتمالات میں جب ایک معصومہ رو گیا تو صاحب خود اسے لے کر کراچی آگئی تاکہ وہ مکمل توجہ کے ساتھ احتمالات دے سکے۔

لیکن منسل کی توجہ بٹک گئی تھی۔ اسے بالکل اچانک ہی لکھیل صاحب اچھے لگنے لگے تھے اسے کہ وہ خود سے بھاگ گئی تھی۔ ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگی۔ پہلے ہی وہ ان سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی لیکن اب تو ان کی موجودگی میں وہ کمرے سے ہی نہ نکلتی۔

وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی۔ خود کو اہست ملامت کرتی۔ وہ اس کی دوست کے والد تھے اس لحاظ سے وہ اس کے اکل ہوئے۔ وہ جتنا سوچتی اسی قدر پشیمانی اور شرمندگی میں گھرتی جاتی۔ پر دل پر کب کس کا زور چلا ہے۔ البتہ اس نے عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ کراچی میں آئے گی۔

احتمالات کے بعد اس نے ایک دن بھی وہاں رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ صاحب اس کی جلد بازی پر

تھی۔ اس کی حنفیہ اتنی تھی کہ وہ آسانی سے اپنی
ضروریات پوری کر سکتی تھی۔ آفس میں بھی اسے کوئی
سنگہ نہیں تھا۔ وہاں کامیابول بھی کئی سزا گار قلعہ البتہ
شارق زبان جو کہ باپ کا بچہ تھا۔ اکثر اسے تاڑتا۔ وہ
کوڈت میں بیٹھا ہو جاتی۔ جیسے بیسہ دن گزرتے جا رہے
تھے۔ شارق زبان اس سے بات کرنے کے سامنے
وہ صوبہ لے لگا۔ بظاہر وہ جہد مذہب انسان تھا۔ لیکن
منال چونکہ اس کی تہذیب محسوس کر چکی تھی اس لیے
اس سے دور رہتی تھی۔ اس کے کلی میں ایک ہی
انسان تھا اور وہ اس کے علاوہ کسی اور کو وہ جگہ نہیں
دے سکتی تھی۔

سے بے بس کر دیا۔ وہ چینی رہی مگر اس نے اس کی
پسند نہ کی۔
اپنی بوس پوری کرنے کے بعد اس نے منال کو بتایا
تاکہ اس نے وہ جو نالین کر دیا ہے۔ منال نے زندوں
کیا تھا نہ سہولت میں۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں
تھی کہ وہ اسے کچھ کہہ دیتی۔ اسے لب تک قدرت کی
اس قسم طرفی پر یقین نہیں آتا تھا۔

۱۰ لیڈی ڈاکٹر سے روتے ہوئے جو کہہ رہی تھی
میں نے ان کو محمد کہہ دیا۔ وہاں سے نکلتے منٹوں

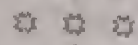
خلیل صاحب کو دیکھا تو اسے اس آخری صدمے سے
بھی گزرا ہوا۔ انہوں نے بے استغاضے سے اس کا ہاتھ
پکڑا اور اسے باہر لے کر آئے تھے۔

”یہ کیا سن رہا ہوں میں؟“ غصے سے ان کی بری
حالت تھی۔ اس نے دو تے بلکتے ساری بات انہیں
سنائی۔ کتنی ہی دیر نہ گم صدمہ رہے۔ ”بااقل ساکت اور
بیاد۔“

○ ○ ○

کیوں دیتی؟ اس کے ساتھ کلیل تھا۔ وہ اسے اپنے ایک دوست کی لپڈی ڈاکٹر پیو کے پاس چیک اپ کے لیے لے گئے تھے۔ یہ سب منظر کو بے حد شرمندگی سے دیکھ کر تھکا تھکا کر گیا کرتی؟ مجبور تھی وہ۔ یہ بچہ پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی کلیل صاحب کو چاہتا تو انہوں نے کئی سے منع کیا تھا لیکن منظر کی بدن بگڑی حالت دیکھ کر وہ اسے خود ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ ڈاکٹر نے دیکھ کر ان کے قریبی دوست کی بیگم تھیں اس لیے وہ ان پر ہنسنا نہ کرتے تھے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو غیر فحش نہ تھی بلکہ ان سے اس ڈاکٹر سے ملنے آئی تھیں کہ ان کے ان سے دوستانہ تعلقات تھے اور وہیں آکر انہیں جیسے خزانہ ہی تو مل گیا تھا۔ ان کی گفتگو کو انہوں نے نہ صرف نہایت کیا تھا بلکہ ایڈٹ کر کے اسے رسالہ کو بھیج دیا تھا۔

رسالہ کے لیے یہ سب اس قدر حیران کن تھا کہ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اور پھر رپورٹس بھی اس نے منظر کے کمرے سے دیکھ کر نکالی تھیں۔ اس سب نے اس کے حواس چمکین لیے تھے۔ وہ باہر ہو گئی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کا دل پھٹ جائے گا۔ شرفیاش اپنے اس کارنامے پر بے حد خوش تھیں۔ انہوں نے بعد میں اسے فون کر کے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمر سے شادی سے انکار کر دے کیونکہ وہ ایک بدکردار مرد کی بیٹی کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس نے ان کے فون اٹھانے سے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ وہ عمر سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرے گی۔ بھول اس کے اتنے نیک نام ایک گئے تو عمر تو تھا بھی فلرت۔ اس نے بنا سوچے سمجھے وہ سب کیا تھا۔ اسے حقیقت کاظم نہیں تھا۔



وہ اپنے کمرے میں بیٹھی دو رہی تھی۔ اس نے دوتے دوتے سر اٹھایا اور منظر سے بات کرنے کا سوچا۔ وہ اپنا موبائل اٹھا کر منظر کے کمرے میں آگئی۔ منظر کے کمرے میں چکر لگ رہی تھی۔ اسے کمرے میں آنا دیکھ کر وہ حیران ہو گئی۔ رسالہ کے چرے پر اسے

شرمندگی دکھائی دے رہی تھی اسے حیرت ہو رہی تھی۔ رسالہ کے کچھ بھی کے بغیر کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اور موبائل میں موجود آڈیو چلائی۔ وہاں شادی اور کلیل صاحب کی آواز تھی لیکن ان کی باتوں کو وہ نہ سمجھتی تھی۔

"جھاؤ۔ میں کیا کرتی؟ مجھے معلوم ہے کہ میں بہت لالچ کیا ہے۔ میں معافی کے بھی قابل نہیں ہوں۔ تمہیں مجھے کچھ بتانا چاہیے تھا۔ میرے عزیز ترین اور قریبی لوگوں کے بارے میں جب میں اپنے سنسنی خیز رپورٹس دیکھوں گی تو۔" وہ دوتے دوتے اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اور جب کلیل حقیقت جان کر وہ اور بھی شرمندگی کے کڑے تھے۔

"میں حیران و بالہ شادی سے ملنے گئی تھی۔ میں نے بھی اس کے بارے میں کچھ دن بعد ہی حیرت زدہ ہو گئے تھے۔ مگر وہ کچھ نہیں۔ شادی نے مجھے دھوکا دیا تھا کہ اگر میں نے اس سے شادی نہ کی تو وہ میری اپنی وہ بیوی پر اب لوڈ کر دے گا۔ لہذا اگر مجھے بہت بہتر نشان ہو گئی تھی۔ پھر کلیل صاحب بتایا تو انہوں نے اسے تذرا لے کر استعمال کر کے اسے تباہ کر دیا۔ وہ مجھے مجھے کچھ نہیں بول رہی تھی۔" شادی پولیس کی تحویل میں ہے اور سادھن لے لے لے رہا گیا ہے۔

"میں اس قابل تو نہیں کہ معافی مانگ سکوں۔ پھر بھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" منظر نے اس کے ہاتھ پکڑے۔ جس قسم کا یہ آؤ کو کلپ تھا اس کے ہاتھ پر ایسا سوچا حیران کن نہیں۔" منظر فری سے بولی۔

"مجھے بالکل انداز نہیں تھا کہ تمہاری زندگی اتنا سب کچھ ہو گیا۔ میں غلط فہمیوں میں گمراہی دوتے دوتے رہی۔" وہ دوتے دوتے بولی منظر اسے ساتھ لگا لیا۔

وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ اور یہ سب جو بھی ہوا منظر کو لگتا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے سہ کلیل اس کی مدد کرتے نہ رسالہ غلط فہمیوں میں پڑتی۔

رسالہ کی جان مشکل میں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں اتنی آسانی سے اسے معاف نہیں کریں گے۔ اس کے پیار کی دکھ بھری آواز مان گئے کاظم کیا کچھ نہیں تھا۔ ان کے لیے جس نے اور اس نے عمر کو بھی کتنا تک کیا تھا۔ وہ دونوں ہی اسے بہت عزیز تھے اور دونوں ہی اب اس سے شدید ناراض تھی۔

وہ دن میں دس بار ان کے گھر کے چکر لگاتی تھی۔ اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتے۔ اس کا دل کٹ جاتا۔ دن رات دوتے دوتے گزرتے تھے۔ وہ سری طرف عمر بھی اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔

منظر کے والدین بھی آگئے تھے۔ اور ان سے دوشے کی بات بھی رسالہ نے ہی کی تھی۔ انہیں بھلا کیا انہیں اسے رسالہ صاحب بھلے ہی اس کی دوست کے والد تھے لیکن اپنی بیوی عمر کے ہرگز نہیں تھے۔ اور جس قسم کی طبیعت کاظم صاحب کی ان دنوں تھی انہیں بھی ہرگز لگا کہ وہی کہیں۔

کلیل صاحب تو بالکل ہی اس سے لالچ تھے۔ رسالہ روٹی رہتی۔ منظر اسے کب تک سنبھالتی۔ شادی کا دن بھی قن پڑا۔ وہ اپنے رپورٹس کی بیگم تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی لیکن کمرے کے اس بیگم میں بھی وہ نشیاں اندھیرے کا مقابلہ کرتے انہی تھیں۔ منظر نے اپنے نکاح کا دن آگے بڑھایا تھا۔ وہ لوگوں کے اس جھوم میں کیسے دھن دھن کر رہی تھی۔ کلیل صاحب کی سہیلی اس کی مشکل سمجھ گئے تھے۔

رسالہ دھن دھن کر رہی تھی۔ منظر اب بھی اتنی کہ عمر کی اس پر نگاہ دوتے ہی ساری ناراضی انہیں ہمو ہو گئی۔ جبکہ کلیل صاحب لاکھ کوشش کرتے کرتے منظر کے دن وہ اپنے دل کو اواس ہونے سے روک نہیں پاسے تھے۔ ان کی آنکھیں بار بار پھر اسی تھیں اور پھر اس کی رخصتی کا وقت بھی قریب آیا۔

رسالہ جب ان کے گلے لگی تو ساری ناراضی آنسوؤں میں بہ گئی۔ وہ دو دو کر ان سے معافی مانگ رہی تھی۔ ان کا دل اس کی طرف سے صاف ہوجا تھا۔



رسالہ بھی سنواری خوروں کو بھی بات دینی چنگ کے مین وسط میں بیٹھی تھی۔ وہ عمر کی ناراضی کا سوچ سوچ کر پریشان تھی۔ تب ہی عمر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ سوچوں میں ابھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے قریب بیٹھنے پر وہ چوکی۔ فوراً ہی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

"تم پھر وہاں شروع ہو گئیں۔" عمر نے بے ہوا۔ "آئی۔ ایم رکی سوری عمر! میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔" وہ سول سول کر کے کہہ رہی تھی۔ عمر نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"وہ ہوتا تھا ہوجکا۔ میں وہ ساری بری باتیں بھلا چکا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو رسالہ خوش ہو گئی۔

"میں اپنی اس نئی زندگی کی شروعات لالچی بھگڑے یا ناراضی سے نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے اس وقت جو کیا۔ وہ غلط تھی۔ کچھ تھا۔ چاہے غلط کسی لیکن پھر بھی جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی غلطیوں معاف کرنے کا ظرف بھی رکھنا چاہیے۔ اور مجھے تم سے بے تحاشا محبت ہے۔ اور میں وہ سب بھول چکا ہوں۔ آج سے ہماری نئی زندگی شروع ہو رہی ہے۔ یونہی اس نئی زندگی میں تم میرا ساتھ دو گی؟" مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ رسالہ نے انکیت میں سر ہلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ کر نہیں دھکی کرانی تھی۔

